معاشی بحران اور عوام پر اس کے اثرات

پروفیسر ڈاکٹر حمیرا صادق قریشی
(مصنفہ کا تعلق درس و تدریس سے ہے مصنفہ اردو لسانیات میں پی ایچ ڈی ہیں)





کسی بھی ملک کی معاشی ترقی ملک کے استحکام اور سالمیت میں مرکزی اہمیت رکھتی ہے۔ مہنگائی، بے روزگاری اور معاشی تنگ دستی جیسے مسائل معیارِ زندگی کو بری طرح متاثر کرتے ہیں۔ یہ مسائل صرف ترقی پذیر ممالک کو ہی درپیش نہیں بلکہ ترقی یافتہ ممالک بھی اس کے اثرات سے محفوظ نہیں ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق، امریکا میں تقریباً نوے لاکھ سے زائد، برطانیہ میں ۲۶ لاکھ جبکہ باقی یورپ میں تقریباً تیس لاکھ لوگوں کے بیروزگار ہونے کی رپورٹ جاری کی گئی ہے۔ دیگر ممالک کی طرح پاکستان میں بھی موجودہ سال بے روزگاری کی شرح میں اضافہ ہوا ہے۔ پاکستان بے شمار مسائل میں گھرا ہوا ہے لیکن سب سے سنگین مسئلہ معاشی زبوں حالی اور معیشت کی دگرگوں صورتحال ہے۔ معیشت کو درپیش مسائل نہایت پیچیدہ، مستقل اور بنیادی نوعیت کے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اس وقت پاکستان اپنی تاریخ کے بدترین معاشی بحران میں مبتلا ہے۔ یہ بحران ہمہ جہتی ہے اور ایک دن میں پیدا نہیں ہوا بلکہ پچھلی کئی دہائیوں کی ناقص پالیسیوں، حکمرانوں کی عیاشیوں اور مراعات یافتہ طبقات کی لوٹ کھسوٹ کا نتیجہ ہے۔ اس بحران کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم بالخصوص پچھلی تین دہائیوں سے ملکی آمدنی سے زیادہ خرچ کرتے رہے ہیں اور اخراجات پورا کرنے کے لیے اندرونی اور بیرونی قرضوں پر انحصار کرتے رہے ہیں اور قرضوں کی مالیت بڑھتی رہی ہے۔

ایک اندازے کے مطابق، امریکا میں تقریباً نوے لاکھ سے زائد، برطانیہ میں ۲۶ لاکھ جبکہ باقی یورپ میں تقریباً تیس لاکھ لوگوں کے بیروزگار ہونے کی رپورٹ جاری کی گئی ہے۔

اب ہمارے مجموعی قرض کی مالیت اتنی بڑھ چکی ہے کہ ہمارے ریونیو بجٹ کا ۷۰ فیصد سے زیادہ حصہ قرضوں پر واجب الادا سود اور دیگر ادائیگیوں کی مد میں خرچ ہو جاتا ہے۔ باقی ماندہ ۳۰ فیصد سے دفاعی اخراجات بھی بمشکل پورے ہوتے ہیں۔ لہٰذا روزمرہ کے حکومتی امور نپٹانے پر اٹھنے والے اخراجات اور ترقیاتی پروگراموں کے لیے قرض پر انحصار کیا جاتا ہے۔ پاکستان کی حکومت ملک کو درپیش سنگین مالیاتی بحران کے حل میں مدد کے لیے انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ (آئی ایم ایف) سے ایسے وقت میں مزاکرات میں مصروف رہتی ہے جب ملک کے زرمبادلہ ذخائر تقریباً خالی ہو چکے ہیں۔

سب سے بڑا عالمی مسئلہ مہنگائی ہے۔ اشیائے خورونوش کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کے ساتھ افراط زر ہر وقت بلند ترین سطح پر ہے۔ رسد اور طلب میں فرق کے باعث تیل کی قیمتوں میں اضافہ ہوا جس کا بوجھ تقریباً تمام ممالک کی معیشتوں پر پڑا ہے۔ امریکا، برطانیہ، یورپ، چین، روس سمیت دنیا کی تمام بڑی معیشتیں اس بوجھ سے پریشان دکھائی دیتی ہیں۔ جب ترقی یافتہ ممالک بری طرح متاثر ہو رہے ہوں تو ترقی پذیر ممالک کا پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کے اثرات سے بچنا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔ پاکستان میں پٹرول کی قیمت میں اضافے کے باعث مہنگائی میں شدید اضافہ ہوا ہے خصوصاً آٹا، گھی اور دالیں عوام کی پہنچ سے باہر ہو چکے ہیں۔ عملی طور پر صورتِ حال یہ ہے کہ جو چیز پہلے ۱۰۰ روپے کی تھی، روپے کی قدر میں کمی کی وجہ سے خود بخود ڈیڑھ سو روپے کی ہو چکی ہے، جبکہ عام آدمی کی آمدنی میں ایک پیسے کا اضافہ نہیں ہوا، الٹا کمی ہوئی ہے۔ فرض کریں وہ اگر مہینے بھر میں ۴۰ ہزار روپے کماتا تھا، تو روپے کی قدر میں کمی کی وجہ سے اس کی آمدنی سکڑ کر ۲۰ ہزار روپے ہو چکی ہے۔ روپے کی قدر میں ایک فیصد کمی بھی واقع ہو جائے تو اس کے اثرات عام آدمی کی نجی اور مالی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں۔ آٹا، گھی اور کوکنگ آئل کی قیمتوں میں خاطر خواہ اضافہ کیا گیا۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان اضافوں سے عام آدمی کی زندگی کس طرح اور کتنی متاثر ہو گی۔ ملک کی کثیر آبادی غربت اور افلاس کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ پینے کے لیے صاف پانی اور بجلی کی سہولت سے بھی وہ محروم ہے۔ صحت کی سہولتیں بھی میسر نہیں۔ ناقص غذا، ناخواندگی، بیماریاں، بلند شرح پیدائش، بے روزگاری اور پست آمدنیاں شدید معاشی بحران کی علامتیں ہیں۔ یہ سب کچھ قدرتی وسائل کی کمی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ذرائع پیداوار کے ناقص اور غیر موثر استعمال، بدعنوانیوں اور اشرافیہ کی لوٹ مار کا نتیجہ ہے۔ غربت کی لکیر سے نیچے زندگی بسر کرنیوالوں کی تعداد ۴۵ فیصد سے تجاوز کر چکی ہے۔ ان حالات سے باہر نکلنے کیلئے ضروری ہے کہ یا تو عام آدمی کی آمدن کے ذرائع بڑھائے جائیں یا انہیں سبسڈی دے کر اشیائے خورونوش کی قیمتیں کم کی جائیں۔

ان حالات میں ملازمت کرنے والے طبقے کے مسائل زیادہ بڑھے ہیں۔ کاروبار کی رفتار سست ہونے سے کافی ملازمتیں ختم ہوئی ہیں اور شاید اسی وجہ سے بیروزگار نوجوانوں کی تعداد میں اضافہ دیکھنے میں آ رہا ہے۔ ان حالات میں سرکار کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کے لیے ایسے مثبت اقدامات کرے جو ان کے مسائل کم کرنے میں مددگار ثابت ہوں۔ اس حوالے سے حکومت پنجاب کے اقدامات کچھ بہتر دکھائی دے

رہے ہیں۔ جو تکنیکی تعلیم کے ساتھ ساتھ پیشہ ورانہ اور ٹیکنالوجی کی تعلیم پر توجہ دے رہی ہے۔

صنعتوں اور کاروبار کرنے والوں پر ٹیکس لگائیں گے تو یہ ٹیکس انہوں نے اپنا منافع کم کر کے اپنے پلے سے نہیں دینا، وہ اس کو عوام پر منتقل کر دیں گے۔

ترقی یافتہ ممالک میں کوئی بھی دکان کھولنے سے پہلے دکاندار کا بینک اکاؤنٹ کھلوانا لازم ہے۔ حکومت اس بینک اکاؤنٹ کو ٹیکس نظام، دیگر بینکوں اور موبائل ایپلیکیشنز کے ساتھ منسلک کرتی ہے۔ جو شخص بھی خریداری کے لیے آتا ہے، وہ اپنے موبائل کے ذریعے سامان پر لگا کیو آر کوڈ سکین کرتا ہے اور دکاندار کی رقم اور سرکار کے ٹیکس کی رقم علیحدہ علیحدہ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ خریدار اسی وقت اپنے موبائل سے ادائیگی کرتا ہے اور دکاندار کی رقم اس



کے اکاؤنٹ جبکہ ٹیکس کی رقم براہِ راست حکومت کے اکاؤنٹ میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اس سے ٹیکس چوری کے راستے بھی بند ہو جاتے ہیں۔ مگر پاکستان میں اس معاملے پر ایک بڑا مسئلہ دکانداروں کی تربیت کا بھی ہے، کیونکہ ان کی اکثریت کم تعلیم یافتہ ہے۔ اینڈرائڈ فون استعمال کرنا اور ایپلی کیشن کے ذریعے ادائیگی و وصولی کرنا ان کے لیے مشکل ہو سکتا ہے۔ دکانداروں کو ڈیجیٹل ادائیگیوں کے نظام کے ساتھ جوڑنا معیشت کو ترقی یافتہ ممالک کے ساتھ کھڑا کرنے کی اچھی کاوش ہے آن لائن ہونے کی وجہ سے چیک اینڈ بیلنس بھی آسان ہو سکے گا۔ اس نظام کی کامیابی کے بعد اسے مزید پھیلایا جا سکے گا۔ اسے ایف بی آر کے ساتھ جوڑ کر معاشی انقلاب کی راہ ہموار ہو سکے گی، ملکی معاشی پالیسیاں مضبوط ہوں گی

اور معیشت پر مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔

صنعتوں اور کاروبار کرنے والوں پر ٹیکس لگائیں گے تو یہ ٹیکس انہوں نے اپنا منافع کم کر کے اپنے پلے سے نہیں دینا، وہ اس کو عوام پر منتقل کر دیں گے۔ اپنی تیار کردہ یا فروخت کے لئے رکھی گئی چیزوں کی قیمتیں بڑھا دیں گے۔ سب سے اہم سوال یہ ہے کہ صنعت و تجارت ہے کہاں کہ جس سے آپ (Revenue) کشید کریں گے؟ لوگ باہر نکلیں گے، کاروبار کریں گے اور صنعتیں کچھ مصنوعات تیار کریں گی تب ہی وہ کچھ بیچیں گے اور اپنے منافع میں سے ٹیکس ادا کریں گے، لیکن اگر کاروباری سرگرمیاں ہی ٹھپ ہو چکی ہوں اور اندرونی و بیرونی سرمایہ کاری کا گراف مسلسل نیچے جا رہا ہو تو ایسے میں معیشت کو کیسے سنبھالا اور سنوارا جا سکتا ہے؟ بجٹ کے رخنے کو پورا کرنے کے لیے حکومت بیرونی قرضوں کے علاوہ سٹیٹ بینک اور کمرشل بینکوں سے قرض لیتی ہے جس سے ملک میں زر کی مقدار میں اضافہ ہوتا ہے جس سے مہنگائی پیدا ہوتی ہے۔ مالیاتی خسارے کی وجہ سے روپے کی قدر گرتی ہے اس سے بھی مہنگائی میں اضافہ ہوتا ہے۔ تمام کلیاتی معاشی مظاہر کی صورتحال دگرگوں ہے۔ مالیاتی خسارے اور انرجی کے بحران کے منفی اثرات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔

معیشت کی گنجائش کے مطابق ٹیکس اکٹھا کرنے میں ناکامی کی وجہ سے قرض بوجھ متواتر بڑھتا جا رہا ہے اور مالیاتی خسارہ قابو سے باہر ہو رہا ہے۔ طاقتور طبقے نہایت بے شرمی سے ٹیکس چوری کرتے ہیں اور اپنے لیے مراعات بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ جو تھوڑا بہت ریونیو اکٹھا ہوتا ہے اسے بھی ملکی اشرافیہ فضول خرچی پر اڑا دیتی ہے۔ لیکن ٹیکس ادا کرنے سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ موجودہ استحصالی، بے ہودہ، نامعقول اور غیر منصفانہ ٹیکس نظام غریب اور امیر کے درمیان خلیج کو وسیع کر رہا ہے۔ اہل ثروت لوگوں پر ٹیکس عائد کرنے کیلئے درکار سیاسی عزم کا فقدان ہے اور غربا پر ہر سال بالواسطہ ٹیکسوں کا بوجھ لاد دیا جاتا ہے۔ کُل ٹیکس ریونیو کا ۶۲ فیصد سے زیادہ بالواسطہ ٹیکسوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ جن کا زیادہ بوجھ غریب اور محروم طبقات کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پچھلے دس سالوں میں بالواسطہ ٹیکس میں اضافہ اور براہ راست ٹیکسوں میں کمی ہوئی ہے۔ ملک میں کرپشن کا راج ہے۔ تمام ادارے اس موذی مرض میں مبتلا ہیں۔ سیاسی بدعنوانیوں، کرپشن، مالیاتی بے ضابطگیوں اور ٹیکس چوری نے ملک کی معیشت کی جڑیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔ معیشت اب ایسے مقام پر پہنچ چکی ہے جہاں قرضوں پر انحصار کرنا خودکشی کے مترادف ہوگا۔ لہٰذا ٹیکس ریونیو اور دیگر مالی وسائل میں اضافہ ناگزیر ہے۔ اس مقصد کے لیے زرعی آمدنیوں پر ٹیکس عائد کرنا اور ٹیکس کا دائرہ کار وسیع کرنا ہوگا۔ مراعات یافتہ طبقات سے تمام اعانتیں اور رعایتیں واپس لینا ہونگی۔ براہ راست ٹیکسوں میں اضافے کے ساتھ ساتھ ٹیکس چوری کا کلچر ختم کرنا ہوگا۔ ٹیکس ایڈمنسٹریشن کی کرپشن پر قابو پانا ہوگا۔ حکومتی اخراجات میں بڑی کمی کرنا ہوگی اور بیوروکریسی کا حکم بھی کم کرنا ہوگا۔ امتیازی قواعد کے ذریعے جرنیلوں، ججوں اور سینئر بیوروکریٹ کو کروڑوں مالیت کے شہری پلاٹوں کی الاٹمنٹ بند کر دینی چاہیے۔ اسی طرح واپڈا ملازمین کو مفت بجلی سپلائی کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ اس لیے انہیں بھی بجلی کی قیمت ادا کرنے کا پابند بنانا چاہیے۔ ایسے اقدامات پر عمل کیے بغیر معاشی ترقی کا سوال

ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر ریاست مضبوط نہیں ہوگی تو عوام کو آسانیاں حاصل نہیں ہوں گی۔

ملک میں سیاسی استحکام کا فقدان ہے۔ سیاسی قیادت ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے اور معاشی بحالی کے ایجنڈے پر اتفاق رائے ناپید ہے۔ نظام تعلیم انتہائی فرسودہ اور انحطاط پذیر ہے اور معاشرے میں تقسیم کا باعث بن رہا ہے۔ غیر ترقیاتی اخراجات میں بے لگام اضافہ، روزمرہ کے حکومتی امور چلانے کے لیے درکار فنڈز کی کمی، لاقانونیت، مذہب کے نام پر بے رحمانہ خون ریزی نہ صرف سماج، سیاست اور معیشت پر بُرے اثرات مرتب کر رہے ہیں بلکہ روزگار کے مواقع۔ ملکی کاروباری ماحول اور متوقع بیرونی سرمایہ کاری کو بھی بری طرح متاثر کر رہے ہیں جس کی وجہ سے غربت اور بے روزگاری میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ بلند معیشت کو مہنگائی، بیرونی مالی دباؤ اور غیر یقینی صورت حال کا سامنا ہے۔ موجودہ مالی سال معاشی شرح نمو ہدف سے کم رہنے کا امکان ہے بلند شرح سود جو معاشی ترقی کی راہ میں حائل ہے اس کو ختم ہونا چاہیے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک کو معاشی بحران سے نکالنے کے لیے مشترکہ جدوجہد کی جائے۔

